عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ/دسمبر ۲۰۰۷ء

RegNo.P476

جلد: ششم

شمارہ: 4

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/-روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

نماز (تیسری قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

مسندِ بزاز میں ہے کہ ’’جب بندہ نماز میں ادھر اُدھر دیکھتا ہے تو خدا فرماتا ہے تو کدھر دیکھتا ہے؟ کیا تیرے نزدیک مجھ سے بھی کوئی بہتر چیز ہے، تو میری طرف دیکھ، دوسری دفعہ بھی یہی فرماتا ہے۔ پھر تیسری دفعہ جب اس سے یہ حرکت صادر ہوتی ہے تو خدا اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے۔‘‘

نماز میں سکون اور اطمینان پیدا کرنے کی بھی آپ نے ہدایتیں فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ: ’’جب نماز ہورہی ہو (اور باہر سے تم آؤ) تو دوڑ کر مت آؤ بلکہ اس طرح آؤ کہ تم پر سکون اور وقار طاری ہو۔‘‘

اس سے اول تو یہ مقصود ہے کہ خود اس شخص پر سکون و وقار طاری رہے دوسرے یہ کہ اس کی دوڑ یا چال سے دوسرے نمازیوں کے سکون میں خلل نہ آئے۔ اس طرح بے اطمینانی کے اگر طبعی اسباب ہوں تو نماز سے پہلے ان سے بھی فراغت کرلی جائے۔

آغازِ اسلام میں لوگ نماز کی حالت میں ہاتھ اُٹھا کر سلام کا جواب دیتے تھے۔ لیکن مدینہ منورہ آکر یہ اجازت منسوخ ہوگئی، ایک صحابیؓ نے جن کو اس کی خبر نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار نماز میں سلام کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا، تو نماز کے بعد انہوں نے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا

اِنَّ فی الصلوٰۃ شغلا

ترجمہ: نماز میں اور ہی مصروفیت ہوتی ہے۔

نماز کی روحانی کیفیت کا سب سے اعلیٰ منظر یہ ہے کہ انسان پر ایسی حالت طاری ہوجائے کہ اسے معلوم ہو کہ وہ اس وقت خدا کے سامنے کھڑا ہے۔ گذر چکا ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ: ’’جب تم عبادت کرو تو تم کو یہ معلوم ہو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم خدا کو نہیں دیکھ رہے، تو وہ تم کو بہرحال دیکھ رہا ہے۔‘‘ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں رقت طاری ہوجاتی تھی اور چشم مبارک سے آنسو نکلنے لگتے تھے۔ ایک صحابیؓ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کو ایک دفعہ دیکھا تھا، کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں

ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چکی چل رہی ہے یا ہانڈی اُبل رہی ہے۔

رات کی نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب ذوق وشوق کا عالم طاری ہوتا تھا۔قرآن پڑھتے چلے جاتے، جب خدا کی عظمت و کبریائی کا ذکر آتا پناہ مانگتے، جب رحم وکرم کی آیتیں آتیں تو دعا کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،''نماز دو دو رکعت کرکے ہے، اور ہر دوسری رکعت میں تشہد ہے اور تضرع وزاری ہے، خشوع وخضوع ہے، عاجزی ومسکنت ہے۔اور ہاتھ اُٹھا کر اے ربّ اے ربّ کہنا ہے۔جس نے ایسا نہ کیا اس کی نماز ناقص رہی۔''

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اور لوگ مسجد میں زور زور سے قرأت کررہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،''لوگو! تم میں سے ہر ایک خدا سے مناجات کررہا ہے تو وہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ایک دوسرے کی مناجات میں اپنی آواز سے خلل انداز نہ ہو۔''

ایک صحابیؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے کچھ ہدایت فرمائیں۔ارشاد ہوا کہ:''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تمہاری نماز ایسی ہونی چاہیے کہ یہ معلوم ہو کہ تم اسی وقت مر رہے ہو اور دنیا کو چھوڑ رہے ہو۔''

اس پوری تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ اسلام کی نماز کیا ہے؟ قرآن کس نماز کو لے کر اترا ہے۔اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نماز کی تعلیم دی ہے؟ اور اس کی اصلی کیفیتیں کیا کیا ہیں؟ اور اگر نماز یہ نماز ہو، تو وہ انسان کی روحانی اور اخلاقی اصلاحات کا کتنا مؤثر ذریعہ ہے۔اس لیے قرآن پاک نے نماز کی محافظت یعنی پابندی اور آداب کے ساتھ ادا کرنے کو ایمان کا نتیجہ بتایا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ ھُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ. (انعام۔۱۱)

ترجمہ:اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ قرآن کو مانتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں۔

نماز کی اس نگہداشت اور محافظت کے دو معنی ہیں، اور دونوں یہاں مقصود ہیں۔یعنی ایک تو اس کے ظاہری شرائط اور دوسرے اس کے باطنی آداب کی رعایت۔

ایسی نماز تو درحقیقت ایمان کا ذائقہ، روح اور دل کی تسکین کا سامان ہے۔مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے اجتماعی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی اصلاحات کا بھی کارگر آلہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اخلاق و تمدن ومعاشرت کی جتنی اصلاحیں وجود میں آئیں، ان کا بڑا حصہ نماز کی بدولت حاصل ہوا۔اسی کا اثر ہے کہ اسلام نے ایک ایسے بدوی وحشی اور غیر متمدن ملک کو جس کو پہننے اوڑھنے کا بھی سلیقہ نہ تھا۔چند سال میں ادب وتہذیب کے اعلیٰ

معیار پر پہنچا دیا۔اور آج بھی اسلام جب افریقہ کے وحشی سے وحشی ملک میں پہنچ جاتا ہے تو وہ کسی بیرونی تعلیم کے بغیر صرف مذہب کے اثر سے مہذب و متمدن ہو جاتا ہے اور متمدن قوموں میں جب وہ پہنچ جاتا ہے تو ان کے تخیل کو بلند سے بلند تر، پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنا دیتا ہے۔اوران کو اخلاص کی وہ تعلیم دیتا ہے جس کے سبب انکا وہی کام جو پہلے مٹی تھا،اب اکسیر بن جاتا ہے۔

حضرت سید الملۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے اخلاقی وتمدنی اور معاشرتی فوائد پر سیرت پنجم میں سیر حاصل و قابلِ دید بحث کی ہے،صرف عنوان نقل کرتا ہوں ۔ستر پوشی،طہارت ،پابندی وقت،صبح خیزی ، ہشیاری،خدا کا خوف،مسلمانوں کا امتیازی نشان، جنگ کی تصویر، دائمی تنبیہ اور بیداری، الفت و محبت، غمخواری، اجتماعیت، کاموں کا تنوع،تربیت،نظمِ جماعت ،مساوات ،مرکزی اطاعت،معیارِفضلیت ، روزانہ کی مجلس عمومی وغیرہ۔جس کے آخر میں ارقام فرماتے ہیں۔

''ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز اسلام کا اولین شعار اوراس کے مذہبی و اجتماعی وتمدنی وسیاسی واخلاقی مقاصد کی آئینہ دار ہے۔اس کی شیرازہ بندی سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا تھا۔اوراسکی گرہ کھل جانے سے اس کی نظم وجماعت کی ہر گرہ کھل جاتی ہے۔مسجد مسلمانوں کی ہر قومی اجتماع کا مرکز نماز اسی مرکزی اجتماع کی ضروری رسم تھی۔جس طرح آج ہر جلسہ کا افتتاح اس کے نصب العین کے اظہار وتعین کے لیے صدارتی خطبات سے ہوتا ہے،اسی طرح مسلمان جب زندہ تھے،ان کے ہر اجتماع کا افتتاح نماز سے ہوتا تھا۔ان کی ہر چیز اسکے تابع اوراسی کے زیرِ نظر ہوتی تھی۔ان کے نماز کا گھر ہی ان کا دارالامارۃ تھا۔وہی دارالشوریٰ تھا۔وہی بیت المال تھا۔وہی صیغۂ جنگ کا دفتر تھا۔وہی درسگاہ اور وہی معبد تھا۔

جماعت کی ہر ترقی کی بنیاد،افراد کے باہمی نظم وارتباط پر ہے اور جماعت کے فائدے کے لیے افراد کا اپنے ہر آرام وعیش وفائدہ کو قربان کر دینا اور اختلافِ باہمی کو تہ کر کے صرف ایک مرکز پر جمع ہو کر ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا اس کے حصول کی لازمی شرط ہے۔اس کی خاطر کسی ایک کو امام وقائد وسرلشکر مان کر اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا عہد کر لینا ضروری ہے۔اسلام کی نماز انہی رموز واسرار کا گنجینہ ہے۔یہ مسلمانوں کو نظم وجماعت،اطاعت پذیری و فرمانبرداری اور وحدتِ قوت کا سبق دن میں پانچ بار سکھاتی ہے۔اسی لیے اس کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں اور نہ اس کی کوئی اجتماعی وحدت ہے،نہ انقیاد امامت ہے،نہ زندگی ہے اور نہ زندگی کا نصب العین ہے۔اسی بنا پر داعی اسلام علیہ السلام نے فرمایا؛

العهدی الذی بیننا و بینهم الصلوٰة فمن ترکها فقد کفر.

(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے نماز ہے۔ تو جس نے اس کو چھوڑا اس نے کفر کا کام کیا۔

کہ نماز کو چھوڑ کر مسلمان صرف قالبِ بے جان، شرابِ بے نشہ، گل بے رنگ و بو ہو کر رہ جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ اسلامی جماعت کا ایک ایک شعار امتیازی خصوصیت اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے نماز اسلام کا اولین شعار ہے اور اسی کی زندگی سے اسلام کی زندگی ہے۔

نماز کی عبادت کی تاثیر و برکت سے عرب کی جس طرح روحانی کایا پلٹ گئی اس کا نقشہ حضرت والا رحمتہ اللہ علیہ کھینچتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، ''وہ عرب جو خدا کی عبادت سے بیگانہ تھا، وہ جس کی پیشانی خدا کے سامنے کبھی جھکی نہ تھی، وہ جس کی آنکھوں نے شب بیداری کا اضطراب انگیز منظر نہیں دیکھا تھا، وہ جس کی روح ربّانی تسکین و تسلّی کے احساس سے خالی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دفعتاً کیا ہو گیا؟ اب عبادت الہیٰ اس کے ہر کام کا مقصد بن گئی۔ اب اس کو اپنے ہر کام میں اخلاص کے سوا اور کوئی چیز مطلوب نہ تھی، اس کی پیشانی خدا کے سامنے جھک کر پھر اٹھنا نہیں چاہتی تھی، اس کے دل کو اس لذت کے سوا دنیا کی کوئی لذت پسند نہیں آتی تھی۔ اس کی زبان کو اس کے مزہ کے سوا اور کوئی مزہ اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں اس منظر کے سوا کسی اور منظر کی طالب نہ تھیں۔ اس کی روح یادِ الٰہی کی تڑپ اور ذکرِ الٰہی کی بے قراری کے سوا کسی چیز سے تسلّی نہ پاتی تھی۔

ے　دل را کہ مردہ بود حیاتے ز نور سید
تا بوئے از نسیم میش در مشام رفت

مفہوم: 　دل جو کہ مردہ تھا جب اس کی خوشبو اس کو محسوس ہوئی تو اسے نئی زندگی ملی ۔

وہ عرب جن کی حالت یہ تھی: 　وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلاً. 　(نساء۔۱۳۲)

ترجمہ: اور جو خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

دعوتِ حق و فیضِ نبوت کے اثر و برکت نے ان کی یہ شان نمایاں کی کہ دنیا کی کاروباری مشغولیتیں بھی ان کو ذکرِ الٰہی سے غافل نہ کر سکیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَابَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہ. 　(نور۔۳۷)

ترجمہ: ایسے لوگ جن کو کاروبار اور خرید و فروخت کا شغل خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، غرض ہر حال میں ان کے اندر خدا کی یاد کے لیے بے قراری تھی۔ (جاری ہے)

بیان (بروز منگل، ۱۵۔۵۔۲۰۰۷)

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم:

اللہ تبارک وتعالیٰ کے دو قسم کے قوانین زمین پر جاری وساری ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں قانونِ تکوین۔ قانونِ تکون فزیکل، کیمیکل لاز (laws) ہیں۔ عالم خلق یعنی وجود وعمل انہی دو یعنی فزیکل اور کیمکل لاز میں ہے۔ فزیکل وکیمیکل لا ہے کہ پٹرول کو تیلی دکھائیں تو کیا نتیجہ ہے؟ آگ۔ اس کے خلاف ہوسکتا ہے؟ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح زندہ سانس لینے والی چیز کو پانی میں ڈبوئیں اور کچھ دیر ڈوبی رہے تو کیا ہے؟ موت۔ اس کے خلاف نہیں ہے۔ اور کوئی شخص سنکیا کھالے تو چھ گھنٹے کے بعد موت ہے۔ کیونکہ یہ کیمیکل لاز ہیں۔ اس کے خلاف ہوتا نہیں ہے۔ جیسے بیان کیا گیا ہے ویسا ہی ہے۔ اس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ ان ساری باتوں پر غور کرتے جایئے۔ وجود اور عمل پابند ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے تکوینی نظام یعنی فزیکل اور کیمیکل لاز کے۔ یہ بات اٹل ہے ٹلنے والی نہیں ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات بناتے وقت جو امر جس چیز کو دے دیا ہے وہ ایسے ہی کر رہی ہے۔ اس کے خلاف نہیں کر رہی ہے۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ قانونِ تکوین کو بدلتا ہے اور اولیاء اللہ کے ہاتھ پر کرامت کے ذریعے اللہ تعالیٰ قانون کو بدلتا ہے، کہ سورج کبھی واپس نہیں مُڑا ہے سوائے اس دن کے کہ جس دن یوشع علیہ السلام ارضِ مقدس کو فتح کر رہے تھے۔ ان کی جنگ چلتے چلتے، وقت ہوگیا عصر کا۔ عصر کے بعد ایسے حالات ہوگئے کہ جنگ جاری رکھتے ہیں تو سورج غروب ہوکر عصر کی نماز قضا ہوتی ہے اور اگر عصر کی نماز کے لیے وہاں سے ہٹتے ہیں تو سارا دن جو کوشش کی تھی وہ نامکمل ہوکر ختم ہو رہی تھی۔ اس وقت صحیح تحقیقی ترتیب جو شریعت کی ہے۔ جو محقق ترتیب ہے، اس میں ایک عمل کو رد کر کے دوسرے کو لینا نہیں ہے کہ ہم دوسرے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دوسرا کام نعوذ باللہ دین کا ویسا کام نہیں۔ ذکر رہ گیا تو کیا ہے، کوئی ضروری کام تو نہیں ہے دعوت کے مقابلے میں۔ محققین ایسے نہیں ہیں۔ قرآن وحدیث میں کسی جگہ ایسا بیان نہیں آیا ہوا اور محققین نے کبھی یہ نہیں کہا۔ ہائے افسوس وہ عمل رہ گیا، ہائے افسوس یہ عمل رہ رہا ہے، ہم کیا کریں۔ اگر دونوں حاصل ہوجائیں۔ اللہ والے بڑے حرصی ہوتے ہیں۔ حرصی اعمال کے، آخرت کے۔ ہم کو حرص ہوتی ہے دنیا کی۔

اب سخت افسوس ہو رہا ہے، عصر کی نماز قضا ہو جائے گی، ہم کیا کریں گے۔ سورج کو اللہ تعالیٰ نے پلٹا اور اس وقت تک سورج اپنی جگہ سے نہ ہلا جب تک کہ یوشع علیہ السلام نے ارضِ مقدس کو فتح کر کے عصر کی نماز نہ پڑھ لی۔ اس کے بعد سورج کی روشنی غائب اور سارا اندھیرا تھا۔ سبحان اللہ! عجیب و غریب ہے۔ تو اولیاء اللہ کے ہاتھ پر کرامت کے ذریعے قانونِ تکوین بدل جاتا ہے۔

تیونس میں حبیب بورقیبہ کی حکومت تھی۔ یہ بہت بے تکا، بے وقوف اور سوشلسٹ حاکم تھا۔ یہاں تک کہ سڑک پر گزرتے ہوئے پردہ میں کوئی عورت دیکھتا تھا تو گاڑی کھڑی کرا کے اس کا بُرقعہ اور پردہ اُٹھا کے پھینکتا تھا۔ اتنا بے تکا اور بے وقوف آدمی تھا۔ تیونس کے کچھ لوگ تبلیغ میں لگے۔ اُنہوں نے وہاں جا کے کام شروع کیا۔ وہاں سے ایک لڑکا آیا مصدق اس کا نام تھا۔ مصدق یہاں (پاکستان) وقت لگا کر گیا تھا۔ وہاں جا کر فوراً اس نے لمبے کپڑے اور پگڑی باندھ کر ایک پوری انقلابی زندگی شروع کر دی۔ اس کے بعد اس نے ایک دینی مدرسے میں داخلہ لے لیا، کوئی غیر معروف سا مدرسہ تھا جس پر حکومت ہاتھ بھی نہیں ڈالتی تھی۔ وہاں یہ کام کر رہا تھا۔ پہلے تو مصدق کو گرفتار کیا گیا۔ اس کی مار پٹائی کی گئی کہ اس سے اس کی برین واش ہو جائے اور کام چھوڑ دے۔ جب اس سے نہیں ہوا تو انہوں نے اس کو ایک ایسے غار میں قید کیا جس میں ڈراؤنے قیدی تھے کہ کسی کی آنکھیں نکلی ہوئی، تو کسی کے جبڑے ٹوٹے ہوئے، کسی کو لنگڑا کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اس غار میں سانپ بچھو وغیرہ بھی تھے جیسے کہ جنگل کے غار ہوتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں ایک دو دن رہ کر مارے ڈر کے سب کچھ چھوڑ جائے گا، واپس ہو جائے گا۔ کچھ دن بعد اس کو پولیس والے وہاں سے نکالنے کے لیے آئے۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا، ایک سانپ آیا اور اس کو لپٹ کے پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ اب پولیس والے قریب آئیں تو سانپ ان پر حملہ کرے۔ خیر اس نے نماز مکمل کی۔ پھر انہوں نے کہا ہم آپ کو لے جانے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا لے جائیں تو سانپ ان سے ہٹا۔ اس کے بعد وہ اس کو پکڑ کر لے گئے۔ اس کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ اس کو الیکٹرک سیل میں ڈال کر سزائے موت دی جائے۔ کہتے ہیں کہ مجھے انہوں نے لے جا کر الیکٹرک سیل میں بند کیا۔ جب بجلی کا سوئچ کھولا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے سارے بدن کو کسی نے پکڑ کے ایسے نچوڑا جیسے کپڑے کو نچوڑتے ہیں۔ جب اس طرح کا حال مجھ پر طاری ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس سیل کے کونے میں سے ایک چوہا نما جانور نکل آیا اور اس نے دانتوں سے بجلی کی تاروں کو پکڑ کے کاٹ دیا۔ بجلی کے رَو کا

اثر مجھ پر سے زائل ہوالیکن زائل ہوتے ہی میں چکرایا اور بے ہوش ہو کر گرا۔ کہتے ہیں اس وقت مجھے اتنا محسوس ہوا کہ چوہا نما جانور تکیہ بن کر میرے سر کے نیچے آ گیا۔ ساری رات گزری۔ صبح کے وقت جب میری لاش نکالنے کے لئے آئے اور سیل کو کھولا تو تار ٹوٹے ہوئے ہیں اور میں زندہ نکالا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ کیا کریں؟ اب مسئلے کا حل کیا ہو؟ معلومات کی تو پتہ چلا کہ یہ فلانے مدرسے کے مولوی صاحب کے شاگرد ہیں۔ ان کا خیال ہوا کہ یہاں سے اس کو یہ فکر ملی ہوئی ہے۔ تو انہوں نے اس مولوی صاحب کو گرفتار کیا۔ ان کو جیل میں ڈالا۔ جیل میں ڈالے رکھا تو ان کو کچھ اندازہ ہو کہ یہ آدمی ایسے حال پر پہنچا ہوا ہے کہ یہ بدلنے والا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا اچھا آپ کو آزاد کرتے ہیں۔ آپ کھانا کھالیں۔ چاول اور مچھلی ان کو کھلائی اور کھانے کے تھوڑی دیر بعد ان کو اندازہ ہوا کہ مجھے زہر دے دیا ہے۔ جلدی اُٹھے، وضو کیا اور دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھی اور شہادت ہوگئی۔ یہ آج کے دور کے طالب علم کے ہاتھ پر کرامت کا ظہور ہو رہا ہے۔ فزیکل لاء تبدیل ہو رہا ہے۔ یہ ایک واقعہ یاد آ گیا۔ یہ واقعہ مجھے اُردن کے ایک لڑکے داؤد نے سنایا تھا۔ ادھر انجنئیر نگ کا طالب علم تھا۔ یہ تیونس کا طالب علم داؤد کے واقفوں میں سے تھا۔ اس نے خود مجھے اس کے حالات سنائے۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا قانون جو قانونِ تکوین سے بڑھ کر ہے اور زیادہ اٹل ہے قانونِ شریعت ہے۔ قانونِ شریعت یہ ہے کہ انسان کے اعمال اور استعمال کے ساتھ کیا نتائج اور حالات لگے ہوئے ہیں۔ استعمال اور اعمال کے ساتھ اس کے نتائج قرآن وحدیث میں بہت واضح بیان ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں کہا ہوا ہے کہ **"ذلک الکتاب لا ریب فیہ"** اس کتاب میں جو اصول بیان ہوئے ہیں اس میں شک ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ قوانینِ تکوین سے زیادہ موثر ہو کر نافذ ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جب فحاشی بڑھ جائے گی تو ناگہانی موتیں واقع ہوں گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف قانون نافذ کیا جائے گا تو ایسے لوگوں پر دشمن غالب آجائے گا۔ ایوب خان نے جب عائلی قوانین نافذ کیے تو ہندوستان کا ۱۹۶۵ء کا حملہ ہوا بمشکل ایک عارضی سی فتح ہوئی وہ بھی جرنیل صاحب تاشقند کے معاہدے میں ہار آئے۔ اس وقت ہمیں یاد ہے بزرگوں نے کہا تھا یہ مہلت ہے فتح نہیں ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے راؤنڈ میں پھر اے۔ کے نیازی جو پاکستان کا جرنیل تھا وہ رکوع کئے ہوئے اروڑہ کے سامنے کھڑا تھا اور ہتھیار ڈالنے کے دستاویز پر دستخط کر رہا تھا۔ ایسے اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور عذاب آیا۔ اس کی ساری جرنیلی کی پھوں پھاں نکلی اور

ہندو بنیے، گائے کا پیشاب پینے والے کے آگے مسلمان ہتھیار ڈال رہا تھا۔ اور اس کا پستول جب لیا تو اس میں سے ایک گولی نکلی تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ ذرہ بھی اس میں غیرت ہوتی تو اس گولی کو تو استعمال کرتا۔ اصلی عذاب ان عائلی قوانین کا، اس شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ اور جس وقت ایوب خان نے عائلی قوانین نافذ کئے تھے اس کے بعد اُس کے حالات ڈاواں ڈول ہوگئے تھے۔ بس پھر جگہ پر نہیں آسکتے تھے۔ پکڑ میں اللہ تعالیٰ کے آگئے۔ قانون تشریع میں کہا گیا ہے کہ ایسے اعمال کے ساتھ ایسے ایسے نتائج آئیں گے۔ جب اللہ کے قانون کے خلاف فیصلہ کریں گے تو دشمن غالب آجائے گا۔ جب بدکاری عام ہوگی تو حادثاتی موتیں ہوں گی۔ زکوٰۃ روکیں گے، قحط آئے گا۔ بارشیں رُک جائیں گی۔ اگر چھوٹے بچے اور جانور نہ ہوتے تو پانی کا کوئی قطرہ نازل نہ ہوتا۔ یہ قانون تشریع قانون تکوین سے زیادہ اٹل ہے۔ یہ ٹلتا نہیں ہے۔ جب عمل کرلیا گیا، اس کا نتیجہ ضرور آئے گا۔ عمل کا نتیجہ ضرور آئے گا۔ اس کی بھی ٹلنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ ہاں اس کے ٹلنے کی صورت توبہ استغفار ہے۔ یونس علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ قوم پر عذاب آئے گا۔ اور عذاب کی علامت سرخ بادل کی شکل میں ہوگی۔ جوں ہی سرخ بادل آئے۔ یونس علیہ السلام اس جگہ سے چلے گئے، لیکن عذاب نہیں آیا۔ ایک پیغمبرِ وقت کو اطلاع ہوئی ہوئی ہے اور انہوں نے عذاب کی بات کو کہا ہوا ہے لیکن عذاب نہیں آیا۔ دراصل خدا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ سارے کے سارے مخلوق ہیں۔ ربّ ذوالجلال وحدہ لاشریک ہے۔ باقی ساری مخلوق ہے۔ انبیاء علیھم السلام بھی مخلوق ہیں۔ جب قوم کو پتہ چلا کہ یونس علیہ السلام ناراض ہوکر چلے گئے ہیں اور ہمارے خراب اعمال پر عذاب آرہا ہے تو سارے کے سارے باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ تائب ہوئے، یہاں تک کہ عذاب کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ٹال دیا۔ تو لوحِ محفوظ میں جو فیصلہ ہوتا ہے وہ معلق ہوسکتا ہے کہ فیصلہ تو ایسا ہے لیکن ایسا ہوگیا تو فیصلہ ایسا نہیں ہوگا۔ عذاب آئے گا لیکن توبہ تائب ہوں گے تو عذاب نہیں آئے گا۔ یہ دوسرا فیصلہ اُم الکتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ . یمحو اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب . . اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مٹاتا ہے۔ جس کو چاہے باقی رکھتا ہے۔ اور یہ بات ام الکتاب کی ہارڈ ڈسک میں ہوتی ہے جو کہ علمِ الٰہی ہے اس پر کوئی آگاہ نہیں ہے۔ وہ فیصلہ جو تھا معلق تھا مُبرم نہیں تھا، بدل گیا۔ کس چیز نے بدلا؟ استغفار نے، توبہ تائب ہونے نے۔ اس لئے ایک تو استغفار بہت کرتے رہا کریں، عذاب کی چکی چل پڑی ہے۔ استغفار بہت کرتے رہیں۔ ہر وقت باوضو رہیں اور صبح شام کی حفاظت کی دعائیں پڑھتے رہیں۔ عوامی

اجتماعات کی جگہوں پر نہ جائیں اگر جائیں تو کثرت سے آیت الکرسی پڑھتے رہیں **ولا یؤدہٗ حفظھما**... کو خاص دھیان سے پڑھتے رہیں اپنی حفاظت کے لئے۔ کثرت سے استغفار، باوضو رہنا اور اگر کسی جگہ مجبوری سے جانا پڑ رہا ہے تو وہاں آیۃ الکرسی کثرت سے پڑھتے رہیں۔ ڈرتے رہیں، اللہ کے حضور گڑگڑاتے رہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پاکستان کو ہندوستان کے آگے ذلیل ہونے سے بچائیں۔ کیونکہ یہ ناعاقبت اندیش لوگ اپنے پیروں پر خود کلہاڑا مار رہے ہیں۔ جو کارستانیاں یہ کر رہے ہیں یہ خود کلہاڑا لے کر اپنے پیر پر مار رہے ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانا، فریاد کرنا اور توبہ تو ئب ہونا ہم کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ کچھ کے گڑگڑانے کو، کچھ کے استغفار کو، کچھ کی توبہ کو قبول فرمادیں گے۔ اور سب کے چھوٹنے کے حالات ہو جائیں گے۔ اس کے لیے ساتھی خوب فکر کریں، کوشش کریں اور اس بات کو دیکھیں کہ فرائض، واجبات، سنتِ موکدہ، یہاں تک کہ مستحبات کی پابندی کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ سبحان اللہ! مستحبات کے بارے میں میں سوچتا رہا تو یہ بات قلب پر وارد ہوئی کہ مستحب پر عمل نہ کرنے سے آخرت کی پکڑ تو نہیں ہے لیکن دنیا کے لحاظ سے جان جانے کا نقصان ہو سکتا ہے۔ سوات کے ہمارے واقف لوگ ہیں اُن کی ایک عورت اپنے بیٹے کی شادی کا کارڈ دینے خود آئی۔ تو میں نے کہا آپ ٹیلی فون پر اطلاع کر دیتیں تو کافی تھا۔ تو اس نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ نے اخبار میں خبر پڑھی ہوگی کہ اسلام آباد میں رات کو ایک فلیٹ میں گیس جلتی رہ گئی تھی۔ جب رات کو گیس گئی ہے تو کمرہ گیس سے بھر گیا میرا ایک انجنیئر لڑکا تھا اور ایک ایسا لڑکا تھا جو میڈیکل کالج میں سلیکٹ ہوا تھا، کاکول میں کیڈٹ سلیکٹ ہوا تھا یہ دونوں مر گئے۔ میں نے کہا ہاں میں نے پڑھی تھی۔ اس نے کہا یہ دونوں میرے بیٹے تھے۔ تو رات کو سوتے وقت آگ کو بجھانا آداب میں سے ہے۔ آداب مستحب کے بعد کے درجے کی چیز ہوتی ہے۔ آداب وہ کام ہوتے ہیں جو زندگی کے مختلف کاموں کے کرنے کے بارے میں شریعت نے اچھی باتیں، احتیاط کی باتیں بتائی ہوئی ہوتی ہیں۔ اب مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات اوابین پڑھنا یہ مستحب ہے، نوافل ہیں لیکن رات کو چراغ بجھانا، آگ بجھانا، دروازے کو کنڈی لگانا یہ آداب ہیں۔ دروازے کو بسم اللہ پڑھ کر کنڈی لگانا یہ آداب ہیں۔ ادب کو ترک کرنے سے اتنا عظیم نقصان ہو سکتا ہے۔ آخرت کی پکڑ نہیں ہوتی۔ لازم نہیں کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ پر لیکن اتنا بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ تو فرائض، واجبات، سنتِ مؤکدہ کو سوچیں۔ کہ ایک جنگ میں صحابہ کرام سے مسواک ترک ہوگئی جنگ کی مصروفیات کی وجہ سے تو قلعہ فتح نہیں ہو رہا۔ حضرت عمرؓ نے چار مشیر بھیجے مدینہ منورہ سے کہ ان کے حالات دیکھیں، ان کو کیوں فتح نہیں ہو رہی۔ تو انہوں نے نشان دہی کی کہ آپ کی سنتِ مؤکدہ ترک ہونے کی وجہ سے آپ کے ساتھ اللہ کی مدد نہیں ہے۔ اس لیے آپ کو نقصان ہو رہا ہے۔ تو جوں انہوں نے اس سنت کو زندہ کیا، اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور اسی دن قلعہ فتح ہوا۔

سانچ کو آنچ نہیں (تیسری قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

اگلا واقعہ بندہ کے شاگرد اور مرید ڈاکٹر امین کوہستانی کا ہے جس سے قتل ہوگیا تھا وہ خود اسی کی زبانی سنیں۔

مئی ۱۹۹۸ء کا واقعہ ہے کہ پٹن کے تین آدمی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کی آپ ہمارے ساتھ مٹہ تک جائیں تا کہ وہاں پر ہم گاڑی خریدیں۔ ایک آدمی سے بات کی ہے، اگر اس کے ساتھ ہماری بات طے ہوگئی تو آپ اُس میں رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری اُٹھائیں گے۔ میں چونکہ رحیم آباد مینگورہ میں مقیم تھا ان لوگوں کا رقم کا معاملہ بالواسطہ میرے ساتھ تھا۔ چنانچہ میں جانے کے لئے تیار ہوا اور میرے ساتھ میرا چھوٹا بچہ بھی آگیا جو مجھ سے بہت محبت کرتا تھا۔ میرے دل میں یہ شکوک وشبہات گذر رہے تھے کہ یہ لوگ کہیں مجھے اغوا نہ کرلیں لیکن پھر اپنے آپ کو تسلی دیتا کہ نہیں وہ ایسا نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب رحیم آباد سے مینگورہ پہنچے تو میں نے دیکھا کہ وہ گاڑی سے اتر کر مینگورہ بازار میں کچھ مشورہ کرنے لگے۔ میں نے بچے کے لئے آئس کریم خریدی۔ وہاں سے دو اور آدمی بھی جو اُن کے ساتھی تھے گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی آگے چل پڑی۔

مینگورہ سے جب مٹہ پہنچے تو وہاں سے گاڑی ایک گاؤں کے لئے مڑ گئی جس کا نام چپریال ہے۔ چپریال مٹہ سے تقریباً ۱۵ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ وہاں پر جب ہم پہنچے تو اس آدمی کے گھر گئے جس کے پاس گاڑی تھی۔ اُس آدمی سے جب محمد نور (متوفی) نے بات کی تو اس نے کہا کہ یہ گاڑی میرے بھتیجے کی ہے جو دوبئی میں ہے، میں اُن سے مشورہ کروں گا اُس کے بعد گاڑی فروخت کروں گا۔ البتہ اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ حاجی صاحب اگر آپ لیتے ہیں تو میرا آپ پر اعتماد ہے آپ یہ گاڑی کی چابی لے لیں۔ میں نے اُس سے کہا کہ نہیں میں مالک کی مرضی کے بغیر چابی نہیں لوں گا۔ مغرب کی نماز ہم نے وہیں پڑھی، میں نے جماعت پڑھائی۔ نماز کے بعد پھر یہ لوگ مجھ سے الگ ہوکر مشورہ کرنے لگے۔ میں نے اُن کی طرف توجہ نہ دی اور آکر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ پانچ لوگ بھی آکر گاڑی میں بیٹھ گئے اور مٹہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

مٹہ کی طرف واپسی میں متوفی محمد نور کے لہجے میں سختی شروع ہوگئی۔ میں نے کہا کہ ابھی بہت دیر ہوگئی ہے آگے جانے کا وقت نہیں ہے۔ ابھی ہم مینگورہ واپس جائیں گے اور صبح میں پھر آپ لوگوں کے ساتھ

جاؤں گا۔اس بات پر وہ طیش میں آگیا اور کہا کہ نہیں ہم مینگورہ واپس نہیں جائیں گے اور تمہیں ابھی ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔ چنانچہ مٹہ پہنچتے ہی انہوں نے زبردستی گاڑی کو شانگلہ کی طرف موڑ دیا اور چلنے لگے۔ میں نے کہا کہ دیکھو ابھی بہت دیر ہو گئی ہے، رات کا وقت ہے اور یہ کہ میرے ساتھ چھوٹا بچہ بھی ہے میں اس کو گھر پہنچا دیتا ہوں اور صبح چلیں گے۔لیکن اس نے میری بات نہ مانی اور گالیاں دینے لگا اور اٹھ کر کہنے لگا کہ ہمارے ساتھ چلو ورنہ میں تمھیں جان سے ماردوں گا۔ میرا بچہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگا اور پوچھنے لگا بابا! یہ لوگ آپ کو کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ کہتے ہیں کہ آپ کو لے جاتے ہیں اور سیر کراتے ہیں وغیرہ۔لیکن وہ سمجھ گیا تھا اور بہت رنجیدہ تھا۔گاڑی چلتے چلتے خوازہ خیلہ پہنچی۔خوازہ خیلہ ایک پہاڑی گاؤں ہے۔وہاں میں نے اس آدمی سے کہا کہ گاڑی روک لیں تاکہ میں گھر کو ٹیلی فون کرلوں اُن کو پریشانی ہورہی ہوگی۔اُس نے کہا نہیں میرے ڈیرے پر پہنچ کر وہاں سے ٹیلی فون کردینا۔وہاں تک ٹیلی فون کی اجازت نہیں ہے۔خوازہ خیلہ میں دو آدمی اتر کر مینگورہ واپس چلے گئے۔محمد نور (متوفی)، اسکے دو ڈرائیور اور میں اپنے بچے کے ساتھ گاڑی میں آگے چلے گئے۔خوازہ خیلہ میں ایک چھوٹا طالب علم بھی گاڑی میں سوار ہوا جو شانگلہ کی طرف جارہا تھا۔گاڑی تیزی سے آگے جارہی تھی۔اب مجھے پورا یقین ہوگیا تھا کہ وہ مجھے زبردستی اغوا کر رہے ہیں اور یہ کہ جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے رہے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ شانگلہ پہاڑ کے اوپر پھاٹک ہے پولیس کا، وہاں میں پولیس کو بتادوں گا مگر گاڑی پھاٹک پر بغیر رکے آگے نکل گئی۔خدا جانے پھاٹک کیوں کھلا ہوا تھا؟ شانگلہ پہاڑ کے دوسری جانب چھوٹے چھوٹے ہوٹل ہیں جہاں مسافر لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ وہاں ہم رکے، بچے کو انہوں نے اپنے ساتھ بٹھایا اور میں نے قضائے حاجت کی۔

میں نے سوچا کہ یہ ظالم تو مجھے کسی طرح چھوڑتا نہیں اور بے عزتی کے ساتھ ساتھ زندگی کو بھی خطرہ ہے۔وہ پہلے بھی اس قسم کی واردات کرچکا تھا۔ چنانچہ میں نے پستول میں راؤنڈ رکھے (تین کارتوس) کیونکہ وہ تین آدمی تھے۔ میں نے سوچا کہ جان بچانے کے لئے اسلام نے بھی اجازت دی ہے۔ میں نے واپس آکر نماز پڑھی، کچھ کھانا کھایا اور ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔گاڑی کی اگلی دو سیٹوں پر دونوں ڈرائیور بیٹھ گئے، درمیانی سیٹ میں محمد نور اور وہ طالب علم بیٹھ گئے اور آخری سیٹ میں میں اور میرا کمسن آٹھ سالہ بچہ بیٹھ گئے۔

آگے وہ جگہ تھی جہاں سے ایک راستہ بشام اور پٹن جاتا ہے اور دوسرا راستہ پورن سب ڈویژن کو

جاتا ہے جہاں پر میری پوسٹنگ تھی ۔ میں نے سوچا کہ اگر میں کچھ کروں تو یہ تین ہیں مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اس بے غیرتی کی موت سے یہ بہتر ہوگا کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کر لوں ۔ اگر کامیاب ہوگیا تو ٹھیک ورنہ بے بسی کی موت سے یہ اچھا ہے کہ اپنی سی کوشش کرلوں ۔ چنانچہ میں نے محمد نور پر فائر کردیا۔ چلتی گاڑی میں فائر سن کر ڈرائیور نے گاڑی روک لی ۔ یہ شانگلہ پہاڑ سے مشرق کی طرف ایک ویران جگہ تھی ۔ رات کی تاریکی تھی ، وقت ساڑھے نو بجے کا تھا۔ ڈرائیوروں نے جب پیچھے دیکھا تو اُن کے مالک سے خون بہہ رہا تھا۔

فائر کے بعد جب میں نے پستول دیکھا تو اس میں خول پھنس گیا تھا۔ میں گاڑی سے نیچے اترا اور اُن کو دھمکی دی کہ اگر تم نے حرکت کی تو تمہیں بھی ماردوں گا۔ وہ دونوں ڈر کے مارے گاڑی سٹارٹ حالت میں چھوڑ کر پہاڑ کی طرف بھاگ گئے ۔ میں خود اُن کی ڈر کی وجہ سے گاڑی کے آگے کی طرف آیا اور ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی چلاؤ مگر اُس نے ڈر کی وجہ سے انکار کردیا۔ اس پر میں نے بچے کو فرنٹ سیٹ میں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اللہ کا نام لے کر گاڑی روانہ کردی ۔ بچہ ڈر کی وجہ سے رونے لگا تھا میں نے اُس کو دلاسا دیا۔ میں نے پہلے موٹر چلائی ہوئی تھی مگر ماہر ڈرائیور نہیں تھا۔ راستہ پہاڑی اور دشوار گزار تھا موڑ کاٹتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی تھی ۔ میں نے گاڑی کو اپنے ہسپتال کی طرف موڑا ۔ وہاں سے ہسپتال کا فاصلہ تقریباً ۲۸ کلومیٹر ہے اور سارا راستہ پہاڑی ہے ۔

میں نہایت غصے میں تھا ایک جگہ گاڑی روک کر دیکھا تو زخمی محمد نور مر چکا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ میں گاڑی کو آدمی سمیت پہاڑ سے نیچے گرادوں لیکن پھر خیال آیا کہ یہ تو اس کے یتیم بچوں کا مال ہے اس لئے گاڑی پہاڑ سے نیچے گرانے کا خیال دل سے نکال دیا۔ پھر سوچا کہ اس آدمی کی لاش نیچے گرادیتا ہوں ۔ جب اس ارادے سے لاش اٹھانے لگا تو میرا بچہ رونے لگا کہ بابا اس کو ہسپتال پہنچاؤ تاکہ اس کی پٹی کریں ۔ وہ اپنی معصومانہ جذبات کا اظہار رو رو کر کر رہا تھا۔ میں نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اس کو ہسپتال تک لے جاتا ہوں اور پھر صبح اس کی لاش کو ایمبولینس میں ڈال کر عزت کے ساتھ رخصت کروں گا۔ اور یہ کہ اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ بوجہ مجبوری میں نے یہ کام کیا ہے۔ اس طرح کے منصوبے بناتا ہوا گاڑی چلا رہا تھا۔

رات دس گیارہ بجے کا وقت تھا، پہاڑی راستہ تھا، گاڑی چلاتے چلاتے ایک بہت بڑی چڑھائی کا سامنا ہوا۔ چڑھائی پر جا کر گاڑی بند ہو کر رک گئی۔ دوبارہ سٹارٹ کیا مگر پھر بند ہو گئی اور بار بار سٹارٹ کیا مگر گاڑی بند ہو جاتی۔ گویا گاڑی قدرتی طور پر بے کار ہو گئی۔ مردے کو سیٹ پر لٹایا اور گاڑی کی بتیاں روشن چھوڑ کر اور بچے کو لے کر پیدل آگے چل پڑا۔ اس پہاڑی کا نام یخ تنگی ہے۔ پشتو میں یخ ٹھنڈے کو کہتے ہیں اور تنگی گھاٹی کو کہتے ہیں۔ یہ جگہ بہت مشہور ہے۔ اب مجھے دل میں یہ خوف محسوس ہو رہا تھا کہ متوفی کے ساتھی میرے پیچھے آئیں گے اور مجھے مار دیں گے۔ بچے کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے چلتا رہا، تقریباً دو کلومیٹر پیدل چلے ہوں گے۔ بچہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ بابا ہسپتال کب آئے گا؟ میں نے کہا کہ بس قریب ہے۔ ہم باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ پیچھے سے گاڑی کی لائٹیں یعنی روشنی نظر آئی۔ میں بہت ڈرا کہ پیچھے گاڑی میں اُس آدمی کے ساتھی میرا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہوں گے۔ اسی کشمکش میں گاڑی نزدیک ہوتی گئی میں غور سے گاڑی کو دیکھتا رہا۔ آنے والی گاڑی جب موڑوں سے گزرتی تو مجھے ایسے لگا کہ یہ پورن کو جانے والی جیپ ہے۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مسافروں کی جیپ ہے۔ میں انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ قریب آنے پر میں نے جیپ کو رکنے کا اشارہ کیا۔ گاڑی رک گئی مگر اس میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اگلی سیٹ والوں نے بچے کو گود میں بٹھا لیا اور میں گاڑی کے ایک طرف پائے دان پر کھڑا ہو گیا۔ چلتے چلتے گاڑی پہاڑی کراس کر گئی اور دوسری طرف پورن کا علاقہ شروع ہو گیا۔ اب مجھے یہ تسلی ہو گئی تھی کہ میں دشمن کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ راستے میں پولیس کی موبائل گاڑی کھڑی تھی۔ ہماری گاڑی اُس کے قریب رکی اور پھر روانہ ہو گئی۔

ہوا یوں کہ متوفی کے دو ڈرائیور جو اس کے ساتھی بھی تھے اور ملازم بھی۔ وہ مینگورہ سے آنے والی گاڑی میں بیٹھ کر بِشام چلے گئے اور الپوری کا تھانہ جو قریب تھا اس میں رپورٹ درج کرائی۔ اُن کی رپورٹ یہ تھی کہ پورن کے ہسپتال کے ڈاکٹر محمد امین نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے اور ہماری گاڑی میں مردے سمیت پورن کی طرف جا رہا ہے۔ گاڑی وہ خود چلا رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کا آٹھ سالہ بچہ بھی ہے۔ چنانچہ الپوری تھانے والوں نے پورن کے تھانے کو اطلاع کی ہوئی تھی اور وہ موبائل لے کر میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ جبکہ میں مسافروں کی گاڑی میں گذر کر اپنے ہسپتال پہنچ گیا۔

ہسپتال کے گیٹ پر میں نے اُتر کر گاڑی والے کو پیسے دئے۔ ہسپتال کے گیٹ پر تھانے کا ایک سپاہی میرے انتظار میں کھڑا تھا۔ اُس نے کہا ڈاکٹر صاحب! SHO صاحب نے آپ کو تھانے بلایا ہے۔ میں نے کہا میں آتا ہوں۔ پھر میں اپنی سرکاری رہائش گاہ کی طرف گیا، وہاں وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے (تکلیف کے وقت دو رکعت

نفل نماز بڑی اہم بات ہے)۔ پھر بچے کو چوکیدار کے حوالے کر کے میں خود تھانے پہنچ گیا۔ پستول بھی ساتھ تھا اور کپڑے بھی وہی تھے تبدیل نہیں کئے۔ جب میں تھانے پہنچا تو گاؤں کے سب لوگ جمع تھے۔ ہسپتال کے عملے کی اکثریت موجود تھی۔ رات سوا بارہ بجے کا وقت تھا۔ تھانے کے SHO نے مجھے ہتھکڑی لگائی۔ اُس کا دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن فرض شناسی کا تقاضا یہی تھا۔

اُس نے مجھ اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود گاڑی چلانے لگا۔ دوبارہ اسی راستے پر روانہ ہوئے جس راستے پر میں ابھی آیا تھا۔ رات تقریباً دو بجے ہم الپوری کے تھانے پہنچے۔ الپوری تھانے کا SHO ہمارے انتظار میں تھا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔ ایک دو سخت باتیں کی میں نے بھی سخت لہجے میں جواب دیا۔ وہ شراب کے نشے میں تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر مارنا ہی تھا تو سوات کی حدود میں مارتے میری حدود میں کیوں مارا ہے۔ میں نے کہا مجھے قتل کرنے کا کوئی شوق تو نہیں تھا مجبوری میں مارا ہے۔ SHO نے حکم دیا کہ اسے حوالات میں بند کر دو اور ایک ہاتھ دروازے کے ساتھ باندھ کر کھڑا کئے رکھو۔ چنانچہ میں صبح تک اسی حالت میں رہا۔ صبح ایس پی آیا تو مجھ سے کہا ڈاکٹر صاحب! تم نے آدمی مارا ہے کوئی گپ نہیں ہے۔ صبح پورن کے علاقے کے ایک وکیل صاحب نے میرے لئے چائے بھجوائی اور میں نے ناشتہ کیا۔ اُس کی ایک پیالی چائے آج بھی مجھے یاد ہے۔

اگلے دن بارہ بجے میرا بیان قلمبند کیا گیا اور مجھے مجسٹریٹ کے پاس لے گئے۔ جج نے پولیس والوں کو باہر نکالا، مجھے کرسی پر بٹھایا اور کہا کہ سچ نہ بولنا اور اقبالِ جرم نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔ لیکن میرا ضمیر نہ مانا اور جو سچ تھا وہی بیان دے دیا۔ جج نے بیان دیکھ کر کہا یہ تو وہی بیان ہے جو تھانے کا ہے۔ مجھے جیل بھیج دیا گیا۔ ۹۹-۵-۴ کو میں ۵ بجے سیدو شریف جیل میں داخل ہوا۔ میرے ایک وکیل دوست نے مشورہ دیا کہ رات کا کیس ہے آپ مکر جائیں کچھ نہیں ہوگا اور بری ہو جائینگے۔ میرے ہسپتال کے ایک سینیئر ڈسپنسر نے روتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! خدا کے لئے اپنے بیان سے مکر جاؤ اس طرح بری ہو جاؤ گے، تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کمانے والا کوئی نہیں ہے ویسے بھی رات کا کیس ہے۔ اور بھی کئی دوستوں نے یہی مشورہ دیا۔ تھانے کے SHO نے بھی اشاروں اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی۔ کئی بزرگ شہری بھی یہی مشورہ دیتے رہے مگر میں نے کہا کہ میں سچ بولوں گا اور سچ کے علاوہ کچھ نہیں بولوں گا۔ میرا اللہ میری مدد فرمائے گا۔

میرے سب دوست خاموش اور خفا کھڑے رہے۔ مجھے آج تک اس ڈسپنسر کے آنکھوں کے آنسو یاد ہیں جو رو رو کر کہہ رہا تھا خدا کے لئے سچ نہ بولو پھنس جاؤ گے ملک کا قانون جھوٹا ہے۔

(باقی آئندہ)

استفتاء

بگرامی خدمت مفتی صاحب سلام مسنون!

مندرجہ ذیل مسائل کا جواب شریعت کی روشنی میں مطلوب ہے؛

۱۔ ایک شخص کے پاس صرف دودھ کے لئے ایک گائے ہے جس کی قیمت نصاب سے زیادہ ہے۔ یہ شخص مزدوری کرتا ہے اور گائے کا دودھ فروخت کر کے گھریلو ضروریات میں مدد دیتا ہے۔ کیا اس پر قربانی واجب ہے؟

۲۔ ایک شخص کے پاس فرج ہے جس کی قیمت نصاب سے زیادہ ہے اور وہ کسی کا مقروض نہیں ہے، کیا اس پر قربانی واجب ہے؟ نیز بنیادی ضروریات میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟ کمپیوٹر اور ٹیپ ریکارڈر ضروریاتِ اصلیہ میں شامل ہیں یا نہیں؟

۳۔ ایک شخص کی تنخواہ نصاب سے زیادہ ہے اور گھریلو ضروریات تنخواہ سے کم ہیں لیکن یہ شخص نفلی صدقات زیادہ کرتا ہے اور مقروض رہتا ہے، قربانی بھی کرتا ہے کیا اس پر قربانی واجب ہے یا نفل؟ نیز اس کے لئے قرض سے چھٹکارا حاصل کرنا بہتر ہے یا نفلی صدقات کے طور پر غریبوں کی مدد کرنا؟

۴۔ بعض لوگ فطرانہ اور قربانی کی کھال پیش امام کا حق سمجھتے ہیں کسی اور مسکین کو نہیں دیتے جبکہ بعض اہلِ مسجد فطرانہ اور قربانی کی کھال میں مستحق پیش امام کو کچھ نہیں دیتے، وہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے قربانی یا فطرانہ میں خلل واقع نہ ہو؟ صحیح طریقہ کیا ہے؟

مستفتی سبحان اللہ،

ایم اے اسلامیات۔

الجواب حامداً و مصلیاً

۱۔ اگر مذکورہ شخص نے یہ گائے بیچنے کی نیت سے نہیں خریدی ہے، بلکہ ذاتی استعمال کے لئے

ہے (جیسا کہ سوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے)۔ نیز ان کی ملکیت میں موجود حاجاتِ اصلیہ سے زائد سامان کی قیمت ملانے سے وہ صاحبِ نصاب نہ بنتا ہو، تو اس شخص پر قربانی واجب نہیں۔

۲۔ فریج گھریلو استعمال کے لئے ہے تو وہ حاجاتِ اصلیہ میں داخل ہے۔ لہٰذا اس کی وجہ سے اُس شخص پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔

بنیادی ضروریات میں وہ اشیاء شامل ہیں جو انسان کے لئے زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہو اور ان کے بغیر اسے ضرر اور تکلیف ہو۔ نیز اس سامان کا استعمال شریعت میں ممنوع نہ ہو۔ تاہم بنیادی ضروریات مختلف افراد کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اشیاء سامانِ ضروریات میں داخل ہیں:

ا۔ بقدرِ ضرورت پہننے کے لئے لباس

ب۔ رہائشی ضرورت کے لئے مکان

ج۔ خانہ داری یعنی گھر کا سامان، اس میں ہر وہ سامان داخل ہے جو گھر کی ضرورت، رہائش، طعام اور آرام کے لئے کافی ہو اور اکثر استعمال میں آتا ہو۔

د۔ سواری

ر۔ ذاتی دفاع کے لئے قانون سے منظور شدہ اسلحہ

ز۔ ہنرمند اور کاریگر کے لئے اس کے کام سے متعلق اوزار

و۔ اہلِ علم کے لئے ان کے علم سے متعلق کتابیں اور کتابوں کے رکھنے کے لئے الماریاں و متعلقہ سامان۔

مذکورہ اشیاء بطور مثال کے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اشیاء ضرورت ہوسکتی ہیں۔ کمپیوٹر اور ٹیپ ریکارڈر اگر ذاتی جائز ضروریات میں استعمال کے لئے ہو، تجارت کے لئے نہ ہو تو حاجاتِ اصلیہ میں داخل ہیں۔

۳۔ وجوبِ قربانی کے لئے ایام قربانی میں مالکِ نصاب ہونا ضروری ہے۔لہٰذا اگر مذکورہ شخص میں قرض منہا کرنے کے بعد ایامِ قربانی میں ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی ملکیت کے برابر سونا یا نقدرقم یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد ساز وسامان ہو یا یہ سب چیزیں تھوڑی تھوڑی مقدار میں ہوں لیکن ان کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوتو اس شخص پر قربانی واجب ہے۔اس شخص کو نفلی صدقات دینے کی بجائے قرض ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ قرض کی ادائیگی بشرطِ گنجائش واجب ہے۔

۴۔ فطرانہ اور قربانی کی کھال (یا فروخت کرنے کی صورت میں اس کی رقم) کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔اور قربانی کی کھال کا وہی حکم ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے، یعنی بلا معاوضہ کسی کو بھی (چاہے وہ فقیر ہو یا مالدار) دے سکتے ہیں۔اس تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ فطرانہ اور قربانی کی کھال پیش امام کا حق سمجھنا درست نہیں۔تاہم اگر وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے تو غریب ہونے کی بناء پر ان کو فطرانہ اور قربانی کی کھال دینے میں کوئی حرج نہیں اور ایسا کرنے سے فطرانہ اور قربانی میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔البتہ امامت کی خدمت کے عوض میں امام کو فطرانہ اور قربانی کی کھال یا اس کی قیمت دینا جائز نہیں اور اگر پیش امام مستحقِ زکوٰۃ نہیں ہے تو صرف قربانی کی کھال اُن کو ہدیۃً دی جاسکتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

مفتی آفتاب عالم غفراللہ لہٗ

شیطان کا پیشاب انسان کے کان میں

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا کہ وہ صبح تک سوتا ہی رہتا ہے، نماز کے لئے بھی نہیں اٹھتا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

ذاک رجل بال الشیطان فی اُذُنہٖ

ترجمہ: یہ ایسا آدمی ہے جس کے کانوں میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔ (بحوالہ ''بکھرے موتی'')

حالتِ نزع (چودہویں قسط)

(ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈسٹرکٹ سپیشلسٹ، کوہاٹ)

اُس اللہ کی بندی کو دفنانے کے تین دن بعد گاؤں کی ایک غریب سی عورت نے خواب میں اُسے دیکھا کہ اس سے کہہ رہی ہے کہ میرے گھر جاؤ اور میرے خاندان والوں کو کہو کہ میرے پیچھے روئیں نہیں، میں اپنی ماسی کے ساتھ مل گئی ہوں اور اچھی حالت میں ہوں۔ آپ لوگوں کے رونے کی وجہ سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ (ماسی سے مطلب خالہ تھی جو عورت کی ساس بھی تھی، ماں بھی اور ماسی بھی۔ جس نے اس کو بڑا کیا، پرورش کی پھر اپنے بیٹے سے شادی بھی کرادی)۔ دونوں عورتوں نے بڑا اچھا وقت گزارا تھا۔ موت کے بعد عالم برزخ میں بھی ساتھ ہوگئیں۔

اس عورت نے مرنے سے پہلے اپنی بہن کو وصیت کی تھی کہ دیکھو جب میں مر جاؤں تو میری قبر کو پختہ نہ کرنا اس کو کچا ہی رہنے دینا، ایسا نہ ہو کہ قبر میں مجھے تکلیف ہو۔ لیکن اس کے بھائی نے اس کی وصیت پر عمل نہیں کیا اور قبر کو پختہ کردیا۔ کچھ عرصہ بعد اس سیمنٹ سے بنی ہوئی قبر میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئیں۔ ساتھ پختہ کی ہوئی قبریں جوں کی توں تھیں لیکن اس اللہ کی بندی کو یہ بات ناپسند تھی اس لئے اللہ نے اس میں دراڑیں ڈال دیں اور نیچے کی مٹی نظر آنے لگی۔

ایک دفعہ مجھے ایک مریض کو دیکھنے کا کہا گیا، عید کا دن تھا۔ نماز پڑھ کر میں اس کو دیکھنے گیا۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے بچے کھیل رہے تھے، آپس میں مل کر خوشیاں منا رہے تھے۔ میں مریض کے گھر میں داخل ہوا۔ وہاں کی فضا اداس اداس سی تھی، سب خاموش خاموش سے تھے۔ مجھے ایسے لگا جیسے یہاں پر عید ہے ہی نہیں۔ سچ بات ہے یہ تو زمانے کا دستور ہے ہی کہ کہیں خوشی ہے تو کہیں غم، ایک گھر میں شادی ہو رہی ہوتی ہے اور دوسرے گھر سے جنازہ نکل رہا ہوتا ہے۔ میں اس بیمار کے پاس گیا۔ اس کے گرد چار پانچ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ بچے بھی کھڑے تھے۔ اس مریض کا بیٹا اُس پر سے مکھیاں ہٹا رہا تھا۔ مریض کی حالت کچھ اس طرح سے تھی، چہرہ دائیں طرف مڑا ہوا، آنکھیں پتھرائی ہوئی ایک ہی طرف کو تکے جارہی تھیں۔ منہ سے لعاب بہہ رہی تھی جس کو اس کا بیٹا تولیہ سے صاف کر رہا تھا۔ چہرے کی رنگت سیاہی مائل تھی اور چہرے کے ایک طرف کا کچھ حصہ نیچے کی طرف ڈھلکا ہوا سا لگتا تھا۔ پاتھ پاؤں سیدھے تھے جن میں حرکت کے آثار نہ تھے۔ ذہنی لحاظ

سے بالکل خاموش، بولنے یا جواب دینے سے معذور۔ میں اس کا معائنہ کر کے چار پائی پر بیٹھ گیا۔ پاس بیٹھے اس مریض کے بھائی نے اس بیمار کی حالت کی تفصیل بتائی کہ یہ حالت کل رات سے ہے۔ اس حالت میں ہم اس کو اب کہاں لے کر جائیں؟ ڈاکٹر صاحب! اس نے بڑے اچھے دن گزارے ہیں، بڑی اچھی جوانی تھی اس کی، اپنا زمیندارہ تھا کھیتی باڑی میں مشغول رہتا تھا۔ اب اس کی حالت آپ کے سامنے ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ اس کو ہسپتال لے جائیں میں داخلہ کی پرچی بنا دیتا ہوں تاکہ آپ کو آسانی ہو اور علاج بھی لکھ دیتا ہوں۔ وہاں ناک کی نلکی اور پیشاب کی نلکی لگا دیں گے۔ ناک کی نلکی کے ذریعے سے خوراک دینی ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ میری باتوں کو سن کر اس کے بیٹے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پیچھے گھر کی کچھ عورتیں بھی میری باتیں سن رہی تھیں ان کی طرف سے بھی رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے کہا کہ صبر سے کام لیں اب ان کی خدمت کا وقت ہے۔ جس طرح چھوٹے بچے کو ماں سنبھالتی ہے اسی طرح آپ لوگ اس کی خدمت کریں۔ پاخانہ بھی صاف کرتے رہیں اور ہر دو گھنٹے بعد کروٹ بھی بدلتے رہیں۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ صاحبؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا	جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا	اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

میں نے پرچی ان کو دی اور گھر سے نکل آیا۔ باہر نکل کر میں نے اس کے بیٹے کو کہا کہ اس پر سورۃ یٰسین پڑھتے رہیں۔ باہر کی دنیا نرالی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ عید کا سماں ہنستے کھیلتے چہرے، ایک چار دیواری ہی کا تو فرق تھا وہ لوگ اس کو ہسپتال لے گئے۔ بعد میں میں بھی اسے دیکھنے کے لئے گیا۔ تین دن بعد اس کی موت واقع ہوئی۔ وہ آخری دم تک اسی حالت میں رہا۔

ایک غریب آدمی جس کا نام ہی والدین نے غریب رکھا تھا، ۳۱ سال عمر، درمیانی قد، چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی اور چھ بچوں کا باپ تھا۔ ایک دن صبح سے اپنے ٹریکٹر کو درست کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس کے والد نے اس کو کام کے سلسلے میں کچھ بات چیت کرنے کے لئے آواز دی۔ اپنے والد سے بات کرنے کے بعد اپنی بکریوں کو لے کر زمینوں پر

چلا گیا۔ راستے میں اس کو اپنا دوست ملا وہ بھی اپنی بکریوں کو لے جا رہا تھا۔ زمینوں پر پہنچنے کے کچھ دیر بعد اس کے ساتھی نے کہا کہ میں ایک کام کے سلسلے میں شہر جا رہا ہوں تم میری بکریوں کا خیال رکھنا۔ غریب نے جواباً کہا کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے مجھے سینے میں درد محسوس ہو رہا ہے اور بوجھ سا ہے دل پر۔ بہرحال تم چلے جاؤ۔ اس کے جانے کے بعد یہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب یہ اپنے معمول کے وقت پر گھر نہ پہنچا تو اس کی گھر والی کو فکر لاحق ہوئی اس نے باقی گھر والوں کو اطلاع دی۔ سب اس کی تلاش میں نکلے۔ پھر انہوں نے عجیب ہی منظر دیکھا۔ دور سے غریب ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا نظر آیا۔ بکریاں قریب ہی ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھیں اور اپنے محسن کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔ جب یہ لوگ قریب پہنچے تو سورج غروب ہونے میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ غریب دایاں ہاتھ سر کی نیچے رکھ کر دائیں کروٹ پر لیٹا ہوا تھا، اس میں زندگی کے آثار نہیں تھے جسم کافی سخت ہو گیا تھا۔ اس کے بدن پر سر سے پاؤں تک چیونٹیاں ہی چیونٹیاں تھیں۔ چیونٹیوں کی وجہ سے چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی سرخ سے لے کر بڑی بڑی کالی چیونٹیاں اس کے جسم کے ساتھ چمٹی اپنی اپنی خوراک لے رہی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس کی بہن نیچے کھائی میں کھڑے پانی کی طرف دوڑی۔ اپنے سر سے دوپٹہ اتار کر پانی سے بھگو کر لے آئی اور اس کے چہرے اور جسم سے چیونٹیاں ہٹانے لگی اور ساتھ ساتھ روئے جا رہی تھی۔ ہائے میرا بھائی! ہمیں پتہ بھی نہ چلا تیری موت کا۔ جب اس کے جسم سے چیونٹیاں صاف کی گئیں تو اس کا سارا جسم دھبوں سے بھرا ہوا تھا اور چہرا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نوچا گیا ہو۔ اس کی لاش کو گھر لایا گیا۔ اگلے دن صبح اس کا جنازہ ہوا۔ جب جنازہ لے جانے لگے تو اس کی بیوی اور بہن چارپائی سے لپٹ گئیں، بڑی مشکل سے ان کو ہٹایا گیا۔ اس کے چھوٹ چھوٹے بچے اس کے جنازے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم لے کر چلنے لگے۔ اس کے والد صاحب بہت نیک آدمی تھے۔ گاؤں کی ہر میت کی دفن میں شریک ہوتے اور اپنے ہاتھ سے دفن کرتے۔ لیکن جب اپنے بیٹے کی باری آئی تو اس کو نہ اتار سکے، دور ہی کھڑے تھے۔ لوگ دعا کے لئے آتے اور جاتے۔ بعد میں میں نے اس سے پوچھا کہ چچا! بہت مردے آپ نے اپنے ہاتھوں سے دفن کئے لیکن اپنے بیٹے کی دفن میں شامل نہ ہوئے۔ کہنے لگے ڈاکٹر صاحب! اپنی اولاد کو قبر میں اتارنا بڑے حوصلے کی بات ہے۔ مجھ سفید ریش کا وقت پہلے آنا تھا مگر اللہ کی شان کہ یہ مجھ سے پہلے چلا گیا۔ اس کو بھلا میں کیسے قبر میں اتار سکتا تھا۔ حضرت خواجہ مجذوبؒ فرماتے ہیں۔

ے

دفن خود صدہا کئے زیرِ زمیں — پھر بھی مرنے کا نہیں حق الیقین

تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی غافل نہیں — کچھ تو عبرت چاہئے نفسِ لعین

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرلو جو کرنا ہے آخر موت ہے

(جاری ہے)

جاپان کا سفرنامہ (آخری قسط)

(ڈاکٹر قیصر علی خان، پروفیسر انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور)

کوبے میں پانچ دن گزارنے کے بعد ہم دو دن کے لیے کیوٹو شہر چلے گئے، کیوٹو جاپان کا سب سے خوبصورت شہر ہے، نومبر میں جب موسم خزاں کی آمد ہوتی ہے، تو پتے اپنا رنگ تبدیل کرتے ہیں، اور ایک ہی درخت میں کئی قسم کے رنگارنگ پتے بڑا خوشنما منظر پیش کرتے ہیں، جاپانیوں کی ایک کثیر تعداد اس موسم میں کیوٹو شہر کا رُخ کرتے ہیں اور ان قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کیوٹو تقریباً سو سال پہلے جاپان کا دارالخلافہ تھا، لہٰذا یہاں کئی تاریخی مقامات ہیں۔ یہاں پر ہم نے بدھ مت اور شنتو مذہب کی کئی قدیم عبادت گاہیں اور جاپانی حکمرانوں اور بادشاہوں کے محلات دیکھے۔ جاپانی شہنشاہیت دنیا کی قدیم ترین شہنشاہیت مانی جاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ جاپان کا سب سے پہلا بادشاہ جیمو (Jimmu) تقریباً ساڑھے چھ سو قبل مسیح میں گزرا ہے، اور اُس وقت سے لے کر اب تک جاپان میں تقریباً ۱۲۵ بادشاہ گزر چکے ہیں۔ Jimmu کو شنتو مذہب کے عقیدے کے مطابق سورج کے خدا کا بلا واسطہ وارث تصور کیا جاتا ہے، اور یہ عقیدہ کسی نہ کسی صورت میں اب بھی باقی ہے۔ اگرچہ آج کل بادشاہ کے ساتھ لوگوں کی وہ عقیدت نہ رہی جو آج سے پچاس سال پہلے ہوا کرتی تھی، تاہم آج بھی بادشاہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ملک کے سیاسی مسائل میں آج کے بادشاہ کا کردار بہت محدود ہے۔ جاپان کے موجودہ بادشاہ کا نام آکی ہوتو (Akihoto) ہے، جس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ اسلیے آج کل جاپان میں یہ بحث چل رہی ہے۔ کہ جاپان کے شاہی تخت پر کوئی عورت بیٹھ سکتی ہے یا نہیں۔ مدر پدر آزادی ہونے کے باوجود عورت کو تخت شاہی پر گوارا نہ کرنا عجیب سا لگتا ہے۔

کیوٹو کی سیر میں ہم نے کافی ساری چیزیں دیکھیں۔ ان سب چیزوں میں مجھے شوگن کا محل بڑا دلچسپ لگا۔ سترھویں صدی عیسوی میں جاپان میں فوج کے سربراہ کو شوگن کہتے تھے۔ جو عملی طور پر ملک کا حکمران ہوتا تھا۔ تاہم شوگن کو شاہ کا وفادار رہنا پڑتا۔ کیونکہ ۱۹۴۵ء تک جاپان میں شاہ کو خدا کا درجہ حاصل تھا۔ جاپانیوں کا عقیدہ تھا کہ شاہ کے آباؤ اجداد آسمانی خدا کی اولاد ہیں۔ شوگن کے کیوٹو محل کو نیجو (Nijo) قلعہ بھی کہتے ہیں، یہ قلعہ یا محل سب سے پہلے ۱۶۲۵ء میں بنایا گیا، محل کا رقبہ تقریباً ۵۵۰ کنال ہے، جس میں پندرہ

کنال پر آبادی ہے۔

محل ایسے طریقہ پر بنایا گیا ہے کہ اس میں ملاقاتیوں کے رتبے کے لحاظ سے کمرے ہیں، کم رتبے والوں کے لیے محل کے شروع کے حصہ میں اور بڑے رتبہ والوں کے لیے محل کے اندرونی حصہ میں ملاقات کے کمرے ہیں۔ محل میں جگہ جگہ خفیہ گارڈز کے کمرے بھی ہیں۔ شوگن جب گرمیاں گزارنے کے لیے ٹوکیو سے کیوٹو آتا تو اُس سے ملنے کے لیے اردگرد کے بڑے زمیندار اور نواب ملنے آتے، شوگن ہر ایک کے ساتھ اُس کے مرتبے کے مطابق معاملہ کرتا۔ شوگن کے کمروں کے فرش اس طرح بنائے گئے تھے کہ جس جگہ ملاقاتی بیٹھے ہوں، وہ شوگن کے بیٹھنے کی جگہ سے نیچے ہو۔ محل کے تقریباً درمیان میں جا کر ایک جگہ ایسی ہے کہ اُس سے آگے کوئی مرد نہیں جا سکتا تھا۔ یہاں سے شوگن کے خاندان والوں کے کمرے شروع ہوتے۔ شوگن کئی شادیاں کرتا اور جس بیوی کی عمر ۳۰ سال ہو جاتی اُس کی خود بخود شوگن سے علیحدگی ہو جاتی۔ گائیڈ نے ہمیں بتایا، کہ اس وجہ سے شوگن جس عورت سے شادی کرتا اُس کی عمر کے بارے میں خصوصی معلومات کرتا، لیکن عورت اور اُس کے خاندان والے بھی اس بارے میں خوب جھوٹ بولتے تا کہ زیادہ سے زیادہ عرصہ تک شوگن کے پاس رہیں۔ محل کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے فرش پر چلنے سے بلبل جیسی آواز آتی ہے۔ شوگن نے یہ اس لیے کیا تھا کہ اگر کبھی محل پر حملہ ہو تو اُس کو فوراً پتہ چل جائے۔ شوگن کے محل کے قریب شاہ کا محل بھی ہے۔ شوگن کے لیے لازم تھا کہ اپنے کیوٹو کے قیام کے دوران شاہ سے ملنے کے لیے اُس کے محل جائے۔ اس کے علاوہ شاہ کبھی کبھی اپنا خاص قاصد شوگن کے پاس کسی پیغام پہنچانے کے لئے بھی بھیجتا۔ شاہ کا خاص قاصد ہونے کی وجہ سے شوگن پر لازم تھا کہ اُس کو محل کے اندرون ترین حصے میں لے جائے، اور اُس کو اپنی جگہ سے اُوپر والی جگہ پر بٹھائے، لیکن شوگن کو یہ پسند نہیں تھا، اس لیے اُس نے محل میں ایسا انتظام کیا تھا کہ وہ اس قاصد کو گھما پھرا کر محل کے شروع والے حصہ میں لے آتا لیکن اس طرح کہ اُس کو پتہ نہ چلے۔ اور اُس سے ملاقات کے وقت اپنی جگہ پر نہ بیٹھتا۔ تا کہ اُس سے نیچے نظر نہ آئے۔ اقتدار کی یہ دلچسپ مگر خطرناک جنگ ازل سے جاری ہے اور جب تک دنیا قائم ہے جاری رہے گی۔

شوگن کے محل کے علاوہ کیوٹو میں ۱۰۰۰ دیوتاؤں والی شنتو مذہب کی قدیم عبادت گاہ بھی قابل دید جگہ ہے۔ بدھ مت کی طرح شنتو مذہب پر بھی ہندوازم کے گہرے اثرات ہیں۔ ہندوؤں کی طرح ان کے

بھی کئی دیوتا ہوتے ہیں۔ کیوٹو میں واقع شنتو مذہب کی اس عبادت گاہ میں ۱۰۰۰ بت ہیں۔ ان بتوں کو اس طرز پر بنایا گیا ہے کہ ہر بت کے کئی کئی ہاتھ ہیں۔ گائیڈ نے ہمیں بتایا کہ ہر بت کے ۴۰ ہاتھ ہیں لیکن چونکہ اس کے ہر ہاتھ میں ایک وقت میں ۲۵ کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ لہٰذا ہم اس کو ۱۰۰۰ ہاتھ والا دیوتا کہتے ہیں۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یہ بت دیوتا کا نہیں دیوی کا تھا جس کو جاپانی رحم کی دیوی کہتے ہیں۔ گائیڈ نے ہمیں مزید بتایا کہ شنتو مذہب جاپان کا قدیم دیسی مذہب ہے۔ جبکہ بدھ مت قریبی ممالک سے جاپان آیا ہے۔ چونکہ بدھ مت پر ہندو مذہب کے گہرے اثرات تھے۔ لہٰذا شنتو مذہب میں بھی ہندو مذہب کی کئی چیزیں داخل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اب کئی دیوتاؤں کے نام بھی ایک جیسے ہیں۔ گائیڈ نے بڑی کوشش کی کہ ہمیں شنتو اور بدھ مت میں فرق سمجھا سکے لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

ایک دن سیر کے دوران جاپانی انجینئر امائی باتوں باتوں میں مجھے کہنے لگا کہ لوگ ہمارے متعلق سوچتے ہیں کہ ہم نے بہت ترقی کر لی ہے اور ہم بہت خوش ہوں گے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری زندگی کتنی سخت ہے۔ میری نوکری میرے شہر سے تقریباً سو (۱۰۰) کلومیٹر دور ہے۔ میں صبح سویرے چھ بجے اُٹھتا ہوں اور ناشتہ کیے بغیر دوڑ کر ٹرین میں سوار ہوتا ہوں۔ ناشتہ ٹرین میں کرتا ہوں۔ ٹرین سے اُتر کر ایک گھنٹہ پیدل چلنا پڑتا ہے، نو (۹) بجے ڈیوٹی پر پہنچتا ہوں۔ ڈیوٹی چھ بجے ختم ہوتی ہے۔ جس میں بارہ سے ایک بجے کھانے کا وقفہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ہمیں مسلسل سیٹ پر بیٹھ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ کسی کام کے لئے باہر جانا پڑے تو اول تو اُس کی اجازت نہیں ملتی۔ اگر ملتی بھی ہے تو جتنا وقت باہر رہتے ہیں اُس کے پیسے کاٹے جاتے ہیں۔ چھ بجے ڈیوٹی ختم ہوتی ہے تو نو بجے گھر پہنچتا ہوں۔ اتنا تھکا ہوتا ہوں کہ فوراً سو جاتا ہوں۔ میرا ایک بیٹا ہے۔ میری بیوی میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے۔ لہٰذا میں نے اپنے بیٹے کو ایک نرسنگ سکول میں داخل کیا ہوا ہے۔ میری تنخواہ میں مشکل سے ہمارا گزارا ہو جاتا ہے۔ ہماری بہت خواہش ہے کہ ہم اپنا گھر بنا لیں لیکن اس تنخواہ میں یہ بہت مشکل ہے۔ اس لیے میں اکثر جاپان سے باہر ڈیوٹیاں لے لیتا ہوں۔ جس سے مجھے اچھی معقول رقم مل جاتی ہے لیکن جاپان میں گھر اتنے مہنگے ہیں کہ میرا خیال ہے مجھے اس کے لیے آئندہ پندرہ سال مزید محنت کرنی پڑے گی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں پر رہائش، خوراک اور سواری کتنی مہنگی ہے۔ ایک تربوز جو پاکستان میں دس روپے کا مل جاتا ہے۔ یہاں اس کی قیمت پانچ سو روپے سے زیادہ ہے۔ ایک سیب

کی قیمت سو روپے ہے۔ایک فلیٹ کا کرایہ اوسطاً ستر ہزار روپے ہے۔ان حالات میں اگر ہماری تنخواہ دو لاکھ بھی ہو تو ہمیں اس میں کیا بچت ہوگی۔ امائی نے مزید بتایا کہ آج کل جاپان میں سب سے بڑا مسئلہ خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ ہے۔کوئی بھی شخص بوڑھے والدین کیساتھ رہ کران کی خدمت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جبکہ آج سے تقریباً ۲۰ سال پہلے یہ حالت نہیں تھی۔ جاپان میں خودکشی کی شرح پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ جس کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہیں۔ایک یہ کہ والدین اپنے بچوں سے جدا ہو کر نفسیاتی مسائل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں اس وجہ سے ایک بوڑھی عورت نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی۔خودکشی کی دوسری وجہ انتہائی سخت زندگی ہے۔اگر آپ میں جان ہے۔محنت کر سکتے ہیں تو آپ کو جینے کا حق حاصل ہے۔ نہیں تو اگلے لمحے آپ فٹ پاتھ پر ہونگے اور گندگی کے ڈھیر سے کھانا کھایا کریں گے۔ جس سے تنگ آ کر لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ جب میں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا ایسے لاچار لوگوں کی حکومت مدد نہیں کرتی تو امائی نے کہا کہ صرف تین مہینے تک، تین مہینے کے بعد حکومت امداد نہیں دیتی اور اس کے بعد ایسا آدمی حالات کے حوالے ہوتا ہے۔ان لوگوں میں سے اکثر سردیوں کی راتوں میں پارکوں میں مر جاتے ہیں۔

یہ باتیں سُن کر میں نے اپنے ملک کے حالات پر سوچا۔تو مجھے ایسا لگا گویا ہم جنت میں رہ رہیں ہیں۔افسوس کہ ہم اپنے ملک کی قدر نہیں کرتے۔ میں اکثر سوچتا ہوں، کہ اپنے گھر میں آدمی بعض وقت بھائی بہنوں کے ساتھ لڑائی بھی کرتا ہے لیکن اس کی وجہ سے گھر نہیں چھوڑتا۔ اپنا گھر کچا بھی ہو، تو دوسرے کے پکے گھر میں نہیں جاتا۔ بلکہ اپنے کچے گھر کو پکا کرنے کی سوچتا ہے۔اس کے لیے محنت کرتا ہے۔کاش یہی اُصول ہم اپنے ملک پر بھی لاگو کرتے۔تو ہمارا ملک جنت کا گھوارہ بن جاتا۔

امائی نے جب اپنی تقریر ختم کی تو میں نے موقع دیکھتے ہوئے اسلام کے زریں اُصولوں میں سے والدین کے حقوق بتائے۔ کہ کس طرح اس دینِ متین نے والدین کو تحفظ دیا ہے۔ماں کے قدموں تلے جنت اور باپ کو ایک مرتبہ دیکھنے سے قبول حج کا ثواب ہونا، ایسے فضائل ہیں کہ ہر مسلمان اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کے علاوہ میں نے اُسے اسلام میں زکواۃ اور صدقات کی اہمیت سے بھی متعارف کرایا۔ امائی یہ ساری باتیں سُن کر بہت حیران ہوا اور آئندہ کئی دن تک مجھ سے اسلام کے بارے میں معلومات لیتا رہا۔

کیوٹو میں دو دن گزارنے کے بعد ہم ٹوکیو شہر چلے گئے۔ٹوکیو شہر کی آبادی تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس کا شمار دنیا کے صاف ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ٹوکیو میں ہم نے موجودہ بادشاہ آکی ہوٹو کا محل دیکھا۔جو کہ کیوٹو کے شوگن محل سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔اس کے علاوہ ٹوکیو شہر میں ٹوکیو ٹاور، مسجدِ ٹوکیو وغیرہ کے علاوہ لاتعداد قابل دید جگہیں تھیں۔تاہم وقت کی کمی کے باعث ہم نے مسجد ٹوکیو، روپنگی ہلز تفصیلاً اور ڈزنی لینڈ اور ٹوکیو ٹاور باہر باہر سے دیکھ لیں۔

مسجد ٹوکیو جاپان میں سب سے بڑی مسجد ہے۔تقریباً ڈیڑھ ارب روپے کے کثیر سرمایے سے بننے والی اس مسجد میں ہزاروں نمازیوں کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔سولھویں صدی میں بننے والی ترک مساجد کے طرز پر بنی ہوئی یہ مسجد اپنی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ہمیں بتایا گیا کہ مسجد کے لیے آدھی سے زیادہ رقم ترک حکومت نے مہیا کی ہے۔مسجد سے متصل ایک خوبصورت لائبریری بھی ہے۔جس میں دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی سینکڑوں دینی کتب موجود ہیں۔مسجد میں خواتین کی نماز پڑھنے کے لیے بھی گنجائش موجود ہے۔جس دن ہم نے جمعے کی نماز پڑھی اُس دن مسجد میں تقریباً ایک ہزار کے قریب خواتین وحضرات نے نماز پڑھی۔نماز کے بعد دو نومسلم خواتین کی اسلام قبول کرنے کی خوشی میں ایک چھوٹی سی تقریب بھی ہوئی۔ انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والی ہمارے کانفرنس کی ساتھی خاتون ہرکنتی نے بھی ہمارے ساتھ جمعے کی نماز ادا کی۔ہرکنتی نے ہمیں بتایا کہ ان دو خواتین میں سے ایک کا تعلق جاپان اور دوسری کا امریکہ سے تھا۔ہرکنتی کہہ رہی تھی کہ میں نے امریکہ کی سفید فام خاتون سے اسلام قبول کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میری بتیس سال عمر ہے مجھے اپنے عیسائی شوہر نے قانونی طور پر شادی ہونے سے پہلے ہی چھوڑ دیا، جس پر میں بے حد دل برداشتہ ہوئی۔اس دوران میری چند مسلمان دوستوں نے بہت مدد کی اور مجھے بہت حوصلہ دیا۔اُنھوں نے ہی مجھے مسلمان ہونے پر آمادہ کیا۔میں آج اپنے مسلمان ہونے پر بہت خوش ہوں۔مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ مجھے جلد ہی ایک تحفظ دینے والا مسلمان ساتھی مل جائے گا۔اور یہ کہ میرے مسلمان ہونے کی ایک بنیادی وجہ اپنے لیے ایک نیک اور ہمدرد مسلمان کی تلاش بھی ہے۔یہ کہہ کر ہرکنتی نے ازراہِ مذاق ہم سے کہا کہ اگر آپ لوگوں میں سے کوئی قسمت آزمانا چاہے تو میں رضاکارانہ طور پر بلا معاوضہ اُس کا پیغام آگے پہنچا سکتی ہوں۔پھر خود ہی کہنے لگی کہ دوسری شادی کے لیے قسمت آزمائی آسان مگر صبر آزمائی کا امتحان مشکل ہے۔

ٹوکیوٹاور موبائیل ٹاورز کے طرز پر بنی ہوئی ایک بلند وبالا مینار کا نام ہے۔جس میں زیادہ تر سٹیل یعنی فولاد کا استعمال ہوا ہے۔ٹاور کی کل لمبائی تقریباً گیارہ سوفٹ ہے۔ٹوکیوٹاور کی اُونچائی کا مقابلہ پیرس کے ایفل ٹاور سے کیا جاتا ہے جس کی لمبائی تقریباً ہزار فٹ ہے۔لیکن اُونچائی کی اس معمولی فرق سے قطع نظر ٹوکیوٹاور کو ایفل ٹاور پر کئی طرح سے فوقیت حاصل ہے۔جس میں سب سے اہم دونوں کے وزن میں بے اندازہ فرق ہے۔ایفل ٹاور کا وزن سات ہزار ٹن جبکہ ٹوکیوٹاور کا صرف چار ہزار ٹن ہے۔ٹاور پر ڈیڑھ سو کے قریب بجلی کے طاقتور بلب لگے ہوئے ہیں جو رات کے وقت عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ٹوکیوٹاور کے سب سے اوپر والی منزل (Club 333) سے ٹوکیو شہر کا نظارہ بھی دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

روپنگی ہلز دراصل ایک بہت بڑے علاقے کا نام ہے۔جس میں کبھی پہاڑ ہوا کرتے تھے،لیکن اب وہاں پر صرف بلند وبالا عمارات اور بازار ہیں۔ یہاں پر کئی ایسی شاپنگ سٹریٹ ہیں،جس میں دنیا کا مہنگا ترین سامان بکتا ہے۔روپنگی ہلز میں کئی جگہیں ایسی بھی ہیں کہ جہاں پر جانے کو جاپانی بھی اچھا نہیں سمجھتے کچھ حیا کا تصور ان میں بھی باقی ہے۔

ٹوکیو میں مختلف کانفرنسوں میں شرکت کے بعد ہم ٹوکیو کے قریب ایک اور شہر سکوبا چلے گئے۔ سکوبا کو سائنس سٹی یعنی سائنس کا شہر بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک نیا شہر ہے جس میں جاپانی حکومت نے کئی ایک سائنسی تحقیقی مراکز قائم کئے ہیں۔ یہاں پر میری ملاقات انجینئر خان شہزاد سے ہوئی۔ جو انجینئرنگ یونیورسٹی میں لیکچرار ہے۔اور یہاں زلزلوں کے متعلق اعلیٰ تعلیم حاصل کررہا ہے۔یہ نوجوان ماشاءاللہ سنت کے موافق داڑھی رکھے ہوئے ہے اور سادہ کپڑوں میں ملبوس اس پاکستانی کو تقریباً پوری یونیورسٹی جانتی ہے۔ہماری واپسی سکوبا سے ٹوکیو اور ٹوکیو سے براستہ دوحہ پشاور تھی۔ جب بھی وطن واپس آتا ہوں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان پیدا کیا اور پاکستان میں پیدا کیا۔ اپنے مذہب اور ملک کی قدر دیارِ غیر میں آتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ہمیشہ قائم اور دائم رکھے اور اس کو حقیقی معنوں میں اسلام کا قلعہ بنائے،آمین۔

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (بیسویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دار العلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

محدثِ کبیر فقیہ العصر حضرت مولانا عبدالرّحمٰن کاملپوری کی تواضع (۳)

امتیازی شان سے احتراز:

حضرت مولاناؒ فطری حیا اور متواضع طبیعت کی وجہ سے ہمیشہ امتیازی شان سے احتراز فرماتے۔کبھی کہیں شرکت کی دعوت دی جاتی تو عام سامعین کے ساتھ بیٹھنا آپ کو پسند ہوتا۔باوجود اصرار کے کسی ممتاز مقام پر بیٹھنا آپ کی متواضعانہ طبیعت کے خلاف تھا۔آخری دور میں جب راولپنڈی تشریف لاتے (جلسہ دستار بندی یا افتتاح اسباق کے سلسلہ میں) تو جمعہ کی نماز مولانا غلام اللہ خان کی مسجد میں ادا فرماتے، یا راقم کی مسجد میں جمعہ ادا فرماتے ۔آپ کی کوشش ہوتی کہ پیچھے کہیں بیٹھ جائیں، باوجود دعوت اور انتظام کے آگے تشریف نہ لیجاتے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''آپ عالمانہ علو کے باوجود تکلف اور تصنع سے دور اور نام و نمود سے نفور تھے۔'' مولانا محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں کہ ''حضرت جب اکوڑہ خٹک میں مقیم تھے، نماز کے لیے ایک جبوترہ استعمال ہوتا، جبوترہ پر اکثر اوقات چٹائی وغیرہ نہ ہوتی۔میں نے حضرت کی جگہ پر اپنی صاف چادر بچھادی، پہلی دفعہ جب حضرت نے چادر دیکھی تو نماز تو چادر پر پڑھ لی مگر نماز کے بعد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس ہر مدرس کے لیے چادر موجود ہے؟ میں نے کہا نہیں۔فرمایا کہ میرے لیے بھی نہ بچھایا کرو، یہ مناسب نہیں کہ میں اکیلا چادر پر کھڑا ہوں اور دوسرے مدرسین زمین پر۔لیکن میں گوارہ نہ کرسکتا تھا کہ حضرت یوں ہی نماز پڑھتے، کیونکہ صفائی کا خاص انتظام نہ تھا اس لیے میں لمبی چادر بچھاتا تاکہ دوسرے مدرسین کے لیے بھی گنجائش ہو۔اس صورت میں مولانا نے کھڑا ہونا منظور فرمایا۔''

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں: حضرت کی عادت تھی کہ مسجد میں ایسے وقت میں داخل ہوتے گویا آپ مسافر ہیں اور کوئی جان پہچان کا وہاں موجود نہ ہو۔دارالطلبہ مظاہر العلوم کے صدر دروازے میں کبھی کبھی طالبعلم بتی کی روشنی میں سبق دیکھتے یا تکرار کرتے تو آپ دوسری طرف

سے گذر جاتے کہ انہیں تکلیف نہ ہو۔اسی طرح اگر کہیں اپنے کام سے تشریف لے جاتے تو وہاں اپنی جان پہچان والوں سے ملنے محض اس لیے نہ جاتے کہ ان کو تکلیف ہوگی۔“

مولانا فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں: حضرت کے سفر کراچی میں ایک دعوت کے موقع پر ایک رئیس نے پوچھا کہ حضرت آپ کے یہاں جو مدرسہ بنا ہے اس کا مہتمم کون ہے؟ حضرت نے میری طرف اشارہ کیا۔میں نے کہا حضرت مہتمم تو آپ ہیں،فرمایا نہیں تم مہتمم ہو۔حضرت میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔“

مولانا فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں: ایک دفعہ بہبودی کی عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا قصہ درپیش ہوا۔ہماری بستی بہبودی میں عید کی نماز مسجد میں ہوتی تھی۔میں نے عرض کیا حضرت اگر آپ لوگوں کو فرمادیں تو عیدگاہ میں ایک دفعہ نماز ادا کیا کریں گے۔فرمایا میری بات مانتا کون ہے؟ میں نے کہا حضرت آپ کو اپنی شان معلوم نہیں ، بہت اصرار پر فرمایا بہت اچھا۔مولانا عبدالشکور صاحب اور حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا حافظ عبیدالرحمٰن بھی مؤید بنے ، وعدہ فرمایا کہ میں بھی کوشش کروں گا۔چنانچہ مسئلہ حل ہوگیا۔حضرت کا فرمان تھا سب نے مان لیا۔اس کے بعد عیدگاہ میں امامت کا مسئلہ تھا۔کیونکہ ائمہ میں ہر ایک امامت کا خواہاں ہوتا ہے،اس مسئلے کا حل میں نے یہ پیش کیا کہ حضرت عید کی نماز پڑھائیں،مگر انکار کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے امامت نہیں ہوتی۔ میں نے عرض کیا کہ بغیر آپ کی ذات کے کسی پر اتفاق نہیں ہوسکتا اس لیے جناب یہ درخواست منظور فرمالیں۔بہت اصرار کے بعد حضرت نے درخواست منظور فرمائی۔جب عید کا زمانہ قریب ہوتا تو حضرت فرماتے کہ تم خود عید کی نماز پڑھاؤ میں معذور ہوں۔میں عرض کرتا کہ بغیر آپ کے لوگ کسی پر متفق نہیں ہیں۔حضرت کی آخری عیدالاضحیٰ تھی،حضرت نے فرمایا کچھ لوگ میری امامت پر ناراض ہیں،میرے پاس اس کا جواب نہیں تھا،میں نے عرض کیا کہ میں لوگوں سے عیدگاہ میں آپ کے سامنے دریافت کروں گا۔عیدگاہ میں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہو؟ تو سب نے کہا کہ یہ تو ہمارے لیے فخر کا سبب ہے۔الغرض آپ کی زندگی میں کسرنفسی ، فنائیت اور امتیازی شان سے احتراز کی عجیب شان تھی۔“

اس طبعی افتاد کی وجہ سے آپ نے چاہِ کنعان میں لاکھ چھپنے کی کوشش کی مگر قدرت نے آپ کو نکال کر منصبِ شہرت پر پیش کیا۔ آپ دانۂ تخم کی طرح لاکھ مٹے مگر کاشت زار ہو کر مخلوق کے افادہ کے لیے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اصلاح نفس میں کسرِ نفسی:

حضرت مولاناؒ کی اس طبعی تواضع اور انکساری کا یہ اثر تھا کہ جب آپ کی طرف کوئی سالک اصلاحِ نفس کے لیے رجوع کرتا تو آپ بغیر تکلف اور تصنع کے اپنی بے بضاعتی کا اظہار فرما کر کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے۔ طالب کے بار بار اصرار پر آپ اس کو استخارے کا ارشاد فرماتے۔ لوگوں کو بیعت کے لیے دعوت دینا یا بلانا تو در کنار خود رجوع کرنے والوں کو انکار فرماتے کہ وہ کسی اور کی طرف چلے جائیں۔ آپ کے دیرینہ خادم اور سفر حج کے رفیق مولانا محمود صاحب رنگونی (مفتی اعظم برما) نے جب بیعت اور اصلاح کے لیے درخواست پیش کی تو جواب میں یہ تحریر فرمایا، غور سے پڑھیے کہ کس انداز میں اپنی بے بضاعتی اور کوتاہی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

آپ نے اصلاح کے متعلق اس ناکارہ کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا ہے۔ آپ ایک عرصہ دراز تک سہارنپور قیام فرما چکے ہیں اور طویل مدت اقامت میں آپ مجھ ناکارہ کے اطوار اور ناکارگی اور اقوال و اعمال کی کوتاہیاں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس کے باوجود بھی آپ جیسے عقل مند اصلاح کے لیے مجھ جیسے ناکارہ آوارہ کی طرف رجوع کرنا چاہے بے حد تعجب انگیز ہے۔ اصلاح کے لیے سب سے اول شرط مصلح کا اہل ہونا اور پابند شریعت ہونا لازم اور ضروری ہے جس سے میں واقعی بے بہرہ ہوں اور یہ تصنع اور تواضع نہیں بلکہ خالص اور صاف صاف اظہار واقعہ ہے، اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس کام کے لیے کسی اہل اور بھلے آدمی کی طرف رجوع فرمائیں جس سے آپ کو دین کا نفع ہو۔ احقر کی طرف سے یہ مشورہ آپ

کو بہت ہی خلوص اور ہمدردی کا ہے، امید ہے کہ آپ اس کو قبول فرما کر اس کی وجہ سے مجھے دعائیں دیں گے، اور اگر باوجود میری آوارگی، ناکارگی اور کوتاہیوں کے آپ میری ہی طرف رجوع فرمانا چاہیں تو احقر کو کچھ عذر نہیں، استخارہ مسنونہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کام شروع کر دیجئے، مجھ سے جو خدمت ہو سکے گی انشاء اللہ تعالیٰ دریغ نہ کروں گا (تحریر مکتوب ۲۳ ذیقعدہ، ۲۶ ہجری)۔ اللہ اللہ اندازہ لگائیے کس قدر وضاحت سے اپنے بارے میں یہ الفاظ فرمائے جا رہے ہیں، اپنی حقیقت ظاہر کرنے کے بعد پھر استخارہ اور اصرار کے بعد آمادگی کا اظہار بھی کہ حضرت حکیم الامت کی اس امانتِ عظمیٰ کو اوروں تک پہنچانا بھی ہے۔

ایک صاحب نے اصلاح کے لیے درخوست پیش کی، جواب میں فرمایا: ''اپنی اصلاح کی فکر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، **اللّٰھم زِد فزد**۔ میں تو خود بدافعال، بداعمال ہوں اس کام کے لیے بہتر یہ ہے کہ کسی دیندار باکمال انسان کی طرف آپ رجوع کریں۔ اس معاملہ کے لیے آپ پہلے استخارہ کر لیں۔ مولانا محمد اسحاق صاحب وزیری تحریر فرماتے ہیں: حضرت کو میں نے خط لکھا کہ اپنے نفس امارہ کی اصلاح آپ سے کرانا چاہتا ہوں اور ساتھ کچھ روحانی امراض بھی لکھ دیے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ مجھ جیسے گنہگار سے کسی کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے، کسی متبع سنت سے رجوع کریں۔ لیکن میرے اصرار پر اصلاح کے تعلق کو قبول فرمالیا۔

اپنے اسلاف میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی بھی یہی شان ہے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب تذکرۃ الرشید میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں ''کسر نفسی اور تواضع کا سبق آپ کے قدم قدم پر ہر حرکت و سکون سے حاصل ہوتا ہے، بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا، مگر جو ہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبایئے اور مشک کو کیسا ہی کپڑوں میں چھپایئے کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا۔''

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا عِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ○ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ ○ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ○ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا عِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ○ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن ○ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ○ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.